فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: نماز تراویح کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز تراویح مشروع مستحب ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى اسْتِحْبَابِهَا .

''نماز تراویح کے مستحب ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔''

(شرح مسلم : 39/6، طرح التّثريب للعراقي : 162/4، عمدة القاري للعيني :233/1)

❁ علامہ طحطاوی حنفی رحمہ اللہ (١٢٣١ھ) لکھتے ہیں:

اَلتَّرَاوِيحُ سُنَّةٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْأُمَّةِ، مُنْكِرُهَا مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ مَرْدُودُ الشَّهَادَةِ .

''صحابہ کرام اور بعد والوں کا اجماع ہے کہ تراویح سنت ہے۔اس کا منکر بدعتی اور گمراہ ہے،اس کی گواہی قبول نہیں۔''

(حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، ص411، مَجمع الأنهر لشيخي زاده :135/1)

فائدہ:

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ فِي التَّرَاوِيحِ أَنْ تُصَلّٰى بَعْدَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، كَمَا اتَّفَقَ عَلٰى ذٰلِكَ السَّلَفُ وَالْأَئِمَّةُ، فَمَنْ صَلَّاهَا قَبْلَ الْعِشَاءِ فَقَدْ سَلَكَ سَبِيلَ الْمُبْتَدِعَةِ الْمُخَالِفِينَ لِلسُّنَّةِ .

''تراویح میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ اسے نمازِ عشا کے بعد ادا کیا جائے، اس پر سلف امت اور ائمہ اسلام کا اتفاق ہے۔ جس نے عشا سے پہلے تراویح ادا کی، اس نے سنت کے مخالفین اہل بدعت کا رستہ اختیار کیا۔''

(الاختيارات لشيخ الإسلام ابن تيمية لابن عبد الهادي، ص 41)

(سوال): وضو کے بعد سورت القدر کی تلاوت کرنا کیسا ہے؟

(جواب): وضو کے بعد سورت القدر کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔ اس حوالے سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔

۞ علامہ ابن عابدین حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) نقل کرتے ہیں:

إِنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ مِنْهَا شَيْءٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِنْ قَوْلِهٖ وَلَا مِنْ فِعْلِهٖ .

''اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قولی یا فعلی حدیث ثابت نہیں۔''

(فتاویٰ شامی: 131/1)

(سوال): نماز کے بعد سجدہ میں دعا کرنا کیسا ہے؟

(جواب): درست نہیں۔

۞ علامہ طحطاوی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۳۱ھ) لکھتے ہیں:

فِي الْمِعْرَاجِ : وَمَا يُفْعَلُ عَقِبَ الصَّلَاةِ مِنَ السَّجْدَةِ فَمَكْرُوهٌ

إِجْمَاعًا .

''درایۃ المعراج میں ہے کہ نماز کے بعد (دعا کے لیے کیا جانے والا) سجدہ بالاجماع مکروہ ہے۔''

(حاشية الطّحطاوي، ص 186)

سوال: کیا اذان مکی دور میں مشروع ہوئی؟

جواب: اذان کا مکی دور میں مشروع ہونا ثابت نہیں۔ اس بارے میں تمام روایات ضعیف اور غیر ثابت ہیں۔

❀ علامہ ابن عابدین حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) نقل کرتے ہیں:

اَلْحَقُّ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ شَيْءٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ .

''حق بات یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔''

(فتاویٰ شامی: 383/1)

سوال: رضا اور صبر میں کیا فرق ہے؟

جواب: علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْفَرْقُ بَيْنَ الرِّضَا وَالصَّبْرِ؛ أَنَّ الصَّبْرَ كَفُّ النَّفْسِ وَحَبْسُهَا عَنِ التَّسَخُّطِ مَعَ وُجُودِ الْأَلَمِ، وَتَمَنِّي زَوَالِ ذٰلِكَ، وَكَفُّ الْجَوَارِحِ عَنِ الْعَمَلِ بِمُقْتَضَى الْجَزَعِ، وَالرِّضَا : انْشِرَاحُ الصَّدْرِ وَسَعَتُهُ بِالْقَضَاءِ، وَتَرْكُ تَمَنِّي زَوَالِ ذٰلِكَ الْمُؤْلِمِ، وَإِنْ وُجِدَ الْإِحْسَاسُ بِالْأَلَمِ، لٰكِنَّ الرِّضَا يُخَفِّفُهُ لِمَا يُبَاشِرُ

الْقَلْبَ مِنْ رُوحِ الْيَقِينِ وَالْمَعْرِفَةِ، وَإِذَا قَوِيَ الرِّضَا، فَقَدْ يُزِيلُ الْإِحْسَاسَ بِالْأَلَمِ بِالْكُلِّيَّةِ.

''رضا اور صبر میں فرق یہ ہے کہ صبر کا مطلب ہے؛ نفس پر قابو رکھنا، تکلیف کے باوجود خود کو ناراضی سے روکے رکھنا، تکلیف کے ختم ہونے کی تمنا کرنا اور اپنے جوارح کو ان تمام اعمال سے روک لینا، جو جزع فزع کا باعث بنیں۔ رضا کا مطلب ہے؛ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شرح صدر اور وسعت قلبی کا اظہار کرنا، اس تکلیف کے ختم ہونے کی تمنا نہ کرنا، اگرچہ تکلیف محسوس ہوتی ہو، لیکن رضا کی وجہ سے اس کی شدت میں کمی آ جاتی ہے، کیونکہ یہ دل کو یقین اور معرفت (الٰہی) سے ملا دیتی ہے۔ اگر رضا کی کیفیت مضبوط ہو، تو بسا اوقات تکلیف کا احساس کلی طور پر بھی زائل ہو جاتا ہے۔''

(جامع العُلوم والحِكَم: 488/1)

سوال: حدیث بئر بضاعۃ کی تحقیق درکار ہے۔

جواب: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُطْرَحُ فِيهَا الْحِيَضُ وَلَحْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ.

''کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا ہم بضاعہ نامی کنویں سے وضو کر سکتے ہیں، جبکہ اس میں حیض والے کپڑے، کتوں کا گوشت اور گندگی پھینکی جاتی ہے،

فرمایا: پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز پلید نہیں کر سکتی۔‘‘

(مسند الإمام أحمد : 31/3، سنن أبي داود : 66، سنن النّسائي : 326، سنن التّرمذي : 66، وسندهٗ حسنٌ)

اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ’’حسن‘‘ (وفی بعض النسخ: حسن صحیح) کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل (تہذیب الکمال للمزی: ۵/ ۴۵) اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۴۷) نے ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَحْسَنُهَا إِسْنَادًا حَدِيثُ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ .

’’سب سے عمدہ سند ولید بن کثیر والی ہے۔‘‘ (العِلَل :288/11)

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ’’حسن صحیح‘‘ کہا ہے۔

(شرح السُّنّة :61/2)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ صَحِيحٌ، صَحَّحَهُ الْحُفَّاظُ .

’’یہ حدیث صحیح ہے، اسے حفاظ نے صحیح قرار دیا ہے۔‘‘

(خلاصة الأحكام :66/1)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالَّذِي يَظْهَرُ، صِحَّةُ الْحَدِيثِ مُطْلَقًا، كَمَا صَحَّحَهُ الْأَئِمَّةُ الْمُتَقَدِّمُونَ؛ التِّرْمِذِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَيَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَالْحَاكِمُ، وَهُمْ أَئِمَّةُ هٰذَا الْفَنِّ وَالْمَرْجُوعُ إِلَيْهِمْ .

’’(بحث و تحقیق کے بعد) جو بات سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حدیث

مطلقاً صحیح ہے، جیسا کہ متقدمین ائمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، جن میں امام ترمذی، امام احمد، امام یحییٰ بن معین اور امام حاکم ﷭ شامل ہیں۔ یہ اس فن کے ائمہ ہیں اور (تحقیق حدیث میں) ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔''

(البدر المُنیر :387/1)

✿ حافظ ذہبی ﷫ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

(تنقیح التّحقیق :15/1)

ابن رافع راوی موثق، حسن الحدیث ہے، جمہور ائمہ حدیث نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کر دی ہے، باقی اس کے نام میں اختلاف سے کچھ فرق نہیں پڑتا، راوی کی اصل عدالت ہوتی ہے، وہ اس میں ثابت ہے۔

✿ حافظ ابن ملقن ﷫ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَامٌّ مَخْصُوصٌ، خُصَّ مِنْهُ الْمُتَغَيّرُ بِنَجَاسَةٍ، فَإِنَّهٗ يَنْجُسُ بِالْإِجْمَاعِ، وَخُصَّ مِنْهُ أَيْضًا مَا دُونَ الْقُلَّتَيْنِ إِذَا لَاقَتْهُ نَجَاسَةٌ، عَلٰى قَوْلِ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَكَثِيرِينَ، وَقَالَ مَالِكٌ وَآخَرُونَ بِعُمُومِهٖ، فَالْمُرَادُ الْمَاءُ الْكَثِيرُ الَّذِي لَمْ تُغَيِّرْهُ نَجَاسَةٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ، وَهٰذِهٖ كَانَتْ صِفَةُ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَا يُخَالِفُ حَدِيثَ الْقُلَّتَيْنِ الْآتِي؛ لِأَنَّ مَاءَ هَا كَانَ كَثِيرًا، لَا يُغَيِّرُهٗ وُقُوعُ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ فِيهِ.

''یہ حدیث عام ہے، بعض پانی اس میں شامل نہیں۔ (مثلاً) وہ پانی، جس (کے رنگ، بو یا ذائقہ) میں نجاست گرنے کی وجہ سے تبدیلی آجائے، تو یہ پانی

بالا جماع ناپاک ہو جاتا ہے۔اسی طرح وہ پانی، جس کی مقدار دو مٹکوں سے کم ہو اور اس میں نجاست مل جائے، جیسا کہ امام شافعی، امام احمد اور کئی دیگر ائمہ ﷭ کا مؤقف ہے۔ امام مالک اور دیگر کچھ ائمہ ﷭ کا کہنا ہے کہ حدیث بئر بضاعۃ عام ہے اور اس سے مراد وہ کثیر پانی ہے، جس میں نجاست گرنے سے تغیر نہیں آتا، اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔ بئر بضاعۃ بھی ایسا ہی تھا۔ نیز یہ حدیث، حدیث قلتین کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ بئر بضاعۃ کا پانی اتنا زیادہ تھا کہ اس میں مذکورہ اشیا گرنے سے کوئی تغیر نہیں آتا تھا۔''

(البدر المُنير :392/1)

✿ حافظ خطابی ؒ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

''بئر بضاعہ والی حدیث سن کر کئی لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ یہ (گندگی وغیرہ پانی میں پھینکنا) لوگوں کی عادت تھی کہ یہ لوگ ایسا جان بوجھ کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ گمان کسی ذمی یا بت پرست کے بارے میں بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ کسی مسلمان کے بارے میں کیا جائے، کیونکہ پہلے اور بعد کے مسلمانوں اور کافروں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ پانی کو نجاستوں سے محفوظ رکھتے تھے، پھر بھلا اس زمانے والوں کہ جو دین کے سب سے اعلی طبقے اور مسلمانوں کی سب سے افضل جماعت سے تعلق رکھتے تھے، کے متعلق یہ گمان کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ ان علاقوں میں پانی اس سے کہیں اہم اور ضروری چیز تھی کہ وہ پانی سے ایسا سلوک کرتے اور اس کو حقیر جانتے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے، جو پانی والی جگہوں پر پیشاب کرے۔ تو اس کا

کیا حال ہوگا، جو پانی کے چشموں کو نجاست اور گندگی پھینکنے کی جگہ بنا لے؟ یہ کام صحابہ کرام کی شان کے خلاف ہے۔ دراصل اس گندگی کی وجہ یہ تھی کہ یہ کنواں نشیبی سطح میں واقع تھا اور بارش کی رو گندگی کو رستوں اور ڈھیروں سے بہا کر لے جاتی تھی اور اسے (نشیبی سطح میں موجود) اس کنوئیں میں ڈال دیتی تھی۔ چونکہ کنوئیں میں پانی بہت زیادہ ہوتا تھا، اس لیے ان اشیا کے گرنے سے اس میں تغیر نہیں آتا تھا۔ تو صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کا پانی پاک ہے یا نجس؟ تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو جواب دیا کہ پانی کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔ اس سے آپ ﷺ کی مراد کثیر پانی تھا کہ جس کی مقدار اتنی ہی ہو، جو اس کنوئیں کے کثیر پانی کی تھی، کیونکہ سوال اسی (کثیر) پانی کے متعلق ہوا تھا، لہٰذا جواب بھی اسی کے متعلق دیا۔ یہ قلتین والی حدیث کے مخالف بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ بئر بضاعہ کا پانی دو قلوں کو پہنچتا تھا، دونوں حدیثیں ایک دوسری کے موافق ہیں، مخالف نہیں۔ خاص کو عام پر مقدم رکھا جاتا ہے، یہ عام کی وضاحت کرتی ہے، نہ کہ اسے منسوخ کرتی ہے۔'' (مَعالم السّنن :37/1)

سوال: درج ذیل روایت کی تحقیق درکار ہے!

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

رَأَيْتُكُمْ رَفَعْتُمْ أَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلاةِ وَاللّٰهِ إِنَّهَا لَبِدْعَةٌ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ هٰذَا قَطُّ.

''میں نے آپ کو نماز میں (اس طرح) رفع الیدین کرتے دیکھا ہے، اللہ کی

قسم! یہ بدعت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح (رفع الیدین) کرتے نہیں دیکھا۔''

(الكامل لابن عدي : 2/160، الخلافيات للبيهقي : 2/375)

(جواب): سند ضعیف ہے۔ بشر بن حرب جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔
اسے امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام ابوحاتم، امام ابوزرعہ، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی وغیرہم رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

❀ علامہ جوزقانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''منکر'' کہا ہے۔

(الأباطيل والمناكير : 2/28)

اس ضعیف روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین کو بدعت نہیں کہہ رہے، بلکہ رفع الیدین کی کیفیت کو بدعت کہہ رہے ہیں کہ جو اس وقت لوگوں نے غلط اپنا لی تھی۔ اس قول میں رکوع کو جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین مراد نہیں۔
بھلا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے عمل کو بدعت کیوں کہہ سکتے ہیں، جسے خود نبی کریم ﷺ کو کرتے دیکھا ہو۔ (بخاری: ۷۳۶) نیز سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی مرفوع اور متواتر حدیث میں رفع الیدین کا اثبات موجود ہے۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔ (صحيح البخاري : ٧٣٩)